دیانت داری کے بغیر امنگیں

امنگیں بذاتِ خود کوئی مسئلہ نہیں ہے—اصل امتحان تو دیانت داری کا ہے۔ کسی بامقصد چیز کی خواہش کرنا ایک فطری عمل ہے، لیکن اس کے حصول کے لیے ہم جو راستہ اختیار کرتے ہیں، وہی ہماری شخصیت کا تعین کرتا ہے۔ جب ہمارے مقاصد، ہمارے اصولوں سے زیادہ اہم ہو جائیں تو امنگیں مذموم صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ حقیقی طاقت اس بات میں ہے کہ ہم شارٹ کٹ سے انکار کر دیں، چاہے اس سفر میں برسوں لگ جائیں یا منزل کبھی نہ آئے۔ کامیابی محض منزل تک پہنچنے کا نام نہیں ہے، بلکہ اس تمام تر تگ و دو کے دوران اپنے آپ کو مکمل، ایماندار اور اپنے اقدار کا وفادار رکھنا اصل کامیابی ہے۔

میں نے ایک بار ان سے پوچھا کہ کیا کسی چیز یا مقصد کی خواہش یا آرزو رکھنا بذات خود ایک مسئلہ ہے؟

وہ لمحہ بھر کے لیے رکے، جیسے اس لفظ کا وزن تول رہے ہوں۔ انہوں نے کہا، "امنگ یا آگے بڑھنے کی تڑپ رکھنا برا نہیں ہے۔ خطرناک وہ طرزِ عمل ہے جو ہم اسے حاصل کرنے کے لیے اختیار کرتے ہیں۔"

میں امنگوں کو ہمیشہ ایک سیدھی لکیر کی طرح سمجھتا تھا—یعنی ایک ہدف مقرر کرو، سخت محنت کرو اور اسے حاصل کر لو۔ اگر منزل نیک ہو، تو یقیناً اس کے لیے کی جانے والی جدوجہد بھی جائز ہو گی۔ لیکن انہوں نے کمالِ نرمی سے اس منطق کو رد کر دیا۔

وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولے، "فرض کریں کہ آپ کوئی اچھی چیز چاہتے ہیں۔ آپ کامیابی، استحکام، پہچان یا دوسروں کی خدمت کے خواہاں ہیں۔ اب خود سے یہ سوال پوچھیں: کیا آپ کو اس بات کی بھی اتنی ہی فکر ہے کہ آپ اسے حاصل کیسے کر رہے ہیں؟"

یہ سوال میرے ذہن میں نقش ہو گیا۔ کیونکہ زندگی کے سفر میں کہیں نہ کہیں، ہم میں سے بہت سے لوگ خاموشی سے مقصد اور ذریعے (Means and Ends) کو ایک دوسرے سے الگ کر دیتے ہیں۔ ہم خود کو یہ تسلی دیتے ہیں کہ اگر مقصد معتبر ہے، تو راستہ اتنی اہمیت نہیں رکھتا۔ ہم شارٹ کٹس کے عادی ہونے لگتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے سمجھوتے۔ چالاکیاں۔ ایسی باتیں جن کا ہم کھلے عام دفاع تو کبھی نہیں کریں گے، لیکن تنہائی میں انہیں جائز قرار دے دیتے ہیں۔

انہوں نے ایسی مثالیں دیں جو اپنی شدت کی وجہ سے ناگوار تو تھیں لیکن حقیقت کو بے نقاب کرنے والی تھیں۔ چوری، دھوکہ دہی، فریب، اور استحصال۔ یہ سب اس لیے نہیں کہ وہ انسان برا ہے، بلکہ اس لیے کہ ذہن سرگوشی کرتا ہے: "ہدف تو اچھا ہے، یہ تو بس ایک جلد پہنچنے کا راستہ ہے۔" یہی وہ مقام ہے جہاں عزائم شدید آلودہ ہو جاتے ہیں۔ یہ تب نہیں ہوتا جب انسان کے مقاصد بلند ہوں، بلکہ تب ہوتا ہے جب وہ دیانت داری یا راست بازی کی پرواہ کرنا چھوڑ دے۔

انہوں نے ایک ایسی بات کہی جو میرے دل میں گھر کر گئی: "اگر کوئی چیز حاصل کرنے کے لائق ہے، تو وہ صحیح طریقے سے حاصل کرنے کے لائق ہے—چاہے اس میں دس سال لگیں، پچاس سال لگیں، یا آپ کی پوری زندگی گزر جائے۔"

یہ تصور جدید زندگی کے سکھائے گئے ہر سبق کے برعکس ہے۔ جدید دور میں ہر چیز کے فوری حصول کو قابلِ ستائش مانا جاتا ہے اور اس مقصد کے لئے چیزوں کو بہترین بنانے، ان میں تیزی لانے اور چالبازی کو بھی قابلِ قبول سمجھا جاتا ہے۔ ہم عمل سے زیادہ نتائج کی ستائش کرتے ہیں۔ ہم کامیابی کی داستانوں کا جشن تو مناتے ہیں لیکن یہ نہیں پوچھتے کہ وہاں تک پہنچنے کے لیے کن چیزوں کا سودا کیا گیا۔ مگر اخلاقی زندگی رفتار پر نہیں بلکہ درست سمت کی طرف ہم آہنگی کے ساتھ چلتی ہے۔

جب ذرائع ہی غلط ہوں، تو منزل پہلے ہی سے داغدار ہو جاتی ہے—چاہے وہ باہر سے کتنی ہی متاثر کن کیوں نہ دکھائی دے۔ اور جب ذرائع درست ہوں، تو ایک ادھورے مقصد میں بھی وقار باقی رہتا ہے۔

وہ درحقیقت جس چیز سے خبردار کر رہے تھے وہ امنگیں نہیں، بلکہ اخلاقی بے صبری (Moral Impatience) تھی—یعنی سست رفتار اور دیانتدارانہ ترقی کے ساتھ صبر سے نہ بیٹھ پانا۔ انتظار سے انکار۔ یہ خوف کہ اگر ہم نے جلد نتیجہ حاصل نہ کیا تو ہم اپنی اہمیت کھو دیں گے۔ اس کے باوجود، اس بات میں ایک خاموش قوت چھپی ہے کہ: "خواہ میں اس مقام تک پہنچوں یا نہ پہنچوں، میں اس عمل میں اپنے ضمیر کا سودا نہیں کروں گا۔"

اس قسم کی امنگ شور نہیں مچاتی۔ یہ شارٹ کٹ نہیں لیتی۔ یہ نیک ارادوں کے نام پر غلط کاموں کو جائز قرار نہیں دیتی۔ یہ آہستہ چلتی ہے، کبھی کبھی تکلیف دہ حد تک، لیکن اس میں فکری اور اخلاقی وضاحت ہوتی ہے۔ اور شاید کامیابی کا اصل پیمانہ یہی ہے—یہ نہیں کہ ہم منزل تک پہنچے یا نہیں، بلکہ یہ کہ کیا ہم وہاں تک پہنچنے کی کوشش میں خود کو ٹوٹنے سے یا غلط ذرائع اختیار کرنے سے بچا سکے؟